Al-SHARQ
***Vol: 05, Isue:01, Jan-June 2024*, pp:40-49**

OPEN ACCESS
Al-SHARQ
ISSN (Online): 2710-2475
ISSN (Print): 2710-3692
www.alsharair.com

برصغیر میں اہل سنت والجماعت کے اندرونی اختلافات اور گروہ بندی: تاریخی اور تجزیاتی مطالعہ

SECTARIANISM AND INTERNAL DIFFERENCES WITHIN AHL-E-SUNNAT WAL JAMAAT IN THE SUBCONTINENT: A HISTORICAL AND ANALYTICAL STUDY

Ihsan Ullah
Ph.D. Scholar, Department of Islamic and Religious Studies, Hazara University, Mansehra.

Dr. Muhammad Ibrahim
Supervisor/Assistant Professor, Department of Islamic and Religious Studies, Hazara University, Mansehra.

Submission: 15-02-2024 *Accepted: 15-03-2024* *Published:30-06-2024*

Abstract

Islam instructs its followers to hold firmly to the rope of Allah and not fall into division. In the best of times (the era of the Prophet and the subsequent era of the Companions), every individual was guided by the teachings of the Prophet or the trained Companions. However, as time passed, differences in the interpretation and understanding of Islamic rulings began to emerge, leading to division and discord within the ummah. The primary reason for this division was the tendency to fall into extremes on either side of any matter. Yet, throughout history, there has always been a group that, in contrast to the other factions of the ummah, remained on a balanced path between extremism and laxity, adhering to the actions and rulings of the Companions. This group is known as Ahl al-Sunnah wa'l-Jama'ah, which has always represented the majority of the ummah. In the Indian subcontinent, the differences within Ahl al-Sunnah wa'l-Jama'ah, specifically between the Barelvi and Deobandi schools of thought, are rooted in jurisprudential issues,

CC BY

Sufism, social and cultural practices, and allegedly doctrinal differences. The background of these differences can be traced to the 19th century, a period marked by colonial influences, reformist movements, and the social and religious conditions of Muslims. After the 1857 War of Independence, Muslims in the Indian subcontinent faced significant political, economic, and social challenges under British rule. During this period, several reformist movements emerged to strengthen the religious condition of Muslims, with the Deobandi and Barelvi schools being prominent among them. These differences arose due to various religious interpretations, the nature of religious practices, and the methods of social and cultural rituals, which later gave rise to sectarian strife. Given the great objective of unity within the ummah, despite the existence of ideological differences, sectarian tolerance and harmony remain a vital need of the time. To achieve this goal, it is essential to analyze the differences so that, in light of this understanding, sectarian discord and fragmentation can be prevented.

***KeyWords**: Deobandi, Barelvi, Ahl al-Sunnah wa'l-Jama'ah, Sufism, reformist movements, sectarian tolerance.*

تعارف: اہل سنت والجماعت کا تعارف اور مصداق

اہل السنۃ والجماعۃ اسلام کی سب سے بڑی اور حقیقی جماعت ہے، جو ابتدا سے لے کر آج تک مسلمانوں کی اکثریت کی نمائندگی کرتی ہے۔ یہ جماعت دین اسلام کی وہ بنیادی دھارا ہے جو نبوت کے اصل سرچشمے سے جاری ہوا اور ہمیشہ اپنی اصل شکل میں موجود رہا۔ مختلف ادوار میں کچھ گروہ اور فرقے مختلف وجوہات کی بنا پر اس دھارے سے الگ ہوئے، لیکن ان کی تعلیمات وقت کے ساتھ ساتھ بدعت اور گمراہی سے متاثر ہوتی گئیں، جبکہ اہل السنۃ والجماعۃ اپنی حقیقی شفافیت اور صداقت کے ساتھ قائم و دائم رہا۔

اہل السنۃ والجماعۃ کی بنیادی تعلیمات قرآن وسنت پر مبنی ہیں، اور ان کی تشریح چار معروف فقہی مسالک (حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی) کے ذریعے کی جاتی ہے۔ یہ جماعت انبیاء کرام کو معصوم (گناہوں سے پاک) تسلیم کرتی ہے، اور خلافت کے سلسلے میں خلفائے راشدین (ابو بکر، عمر، عثمان، علی) کی ترتیب کو درست اور برحق مانتی ہے۔ مزید برآں، تمام صحابہ کرام کو عادل (دیانتدار اور نیک) سمجھتی ہے، کیونکہ قرآن کے مطابق اللہ ان سے راضی ہے اور وہ اللہ سے راضی ہیں۔[1]

اہل السنہ والجماعہ: تعریف و وجہ تسمیہ

اہل السنۃ والجماعۃ میں "**السنۃ** "کا مطلب نبی کریم ﷺ کی سنت اور تعلیمات ہیں، جبکہ "**الجماعۃ** "سے مراد صحابہ کرام کی جماعت، اہل حق، اور سلف صالحین کی جماعت ہے۔[2]

اصطلاحاً، یہ اس جماعت کو کہا جاتا ہے جو سلف صالحین (صحابہ، تابعین، اور تبع تابعین) کے راستے پر چلتی ہے، جو قرآن

کریم، سنت نبوی ﷺ، اور صحابہ کرام کے مستند اور ثابت شدہ اقوال واعمال پر مبنی ہے۔

وجہ تسمیہ

چونکہ اہل سنت والجماعت کے پیروکار سنت نبویہ کو شریعت کا بنیادی مصدر مانتے ہیں، صحابہ کرام کی جماعت کو برحق تسلیم کرتے ہیں اور ان سے اپنی نسبت کو باعثِ فخر سمجھتے ہیں۔ "**الجماعۃ**" کا مطلب سلف صالحین کی جماعت یا عمومی طور پر امت مسلمہ کی اکثریتی جماعت ہے، جو ان اصولوں پر قائم ہے اسی وجہ سے یہ "اہل سنت والجماعت" کہلاتی ہے اور اپنے لئے یہی نام پسند کرتی ہے۔

اسلام اور فرقہ واریت:

نظریات کا اختلاف نہ تو نقصان دہ ہے اور نہ ہی اس کو ختم کرنے کی کوئی ضرورت ہے، اور نہ ہی یہ ممکن ہے کہ اسے ختم کیا جاسکے۔ اختلاف رائے نہ اسلامی وحدت کے خلاف ہے اور نہ ہی کسی کے لیے نقصان دہ۔ اختلاف رائے ایک فطری امر ہے، جس سے انسانی گروہ کبھی خالی نہیں رہے اور نہ ہی رہ سکتے ہیں۔ یہ اختلاف خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک زمانے میں بھی موجود تھا، اور خلفائے راشدین اور دیگر صحابہ کے دور میں بھی دیکھنے کو ملا۔ خاص طور پر ان انتظامی معاملات اور نئے مسائل کے سلسلے میں، جن کا قرآن وحدیث میں واضح ذکر موجود نہیں تھا، ان کے حل کے لیے جب اجتہاد اور قیاس کا سہارا لینا پڑا تو اختلاف رائے فطری طور پر ہوا، کیونکہ یہ عقل اور دیانت کا تقاضا تھا۔

اسی طرح تابعین کا عمل بھی سب اہل علم کے سامنے ہے۔ تاہم، صحابہ، تابعین، اور ان کے بعد آنے والے ائمہ مجتہدین اور ان کے پیروکاروں کے پورے خیر القرون کے دوران کہیں یہ سننے میں نہیں آیا کہ کسی نے دوسرے کو گمراہ یا فاسق کہا ہو، یا کسی کو مخالف فرقہ سمجھ کر اس کی امامت کے پیچھے نماز پڑھنے سے روکا ہو۔ اختلافات کے باوجود ان ادوار میں کبھی یہ نہیں ہوا کہ ایک دوسرے کے خلاف جنگ وجدل کی جاتی، توہین وتضحیک کی جاتی، یا مذاق اڑایا جاتا۔ ان مقدس زمانوں میں ایسے رویے کا تصور تک موجود نہیں تھا۔

امام ابن عبدالبر قرطبیؒ اپنی کتاب "جامع بیان العلم" میں سلف کے باہمی اختلافات کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

1691-وذکر الحسن بن علی الحلوانی، ثنا عبداللہ بن صالح قال: حدثنی اللیث، عن یحیٰ بن سعید قال: "مابرح المستفتون یستفتون، فیحل ھذا، ویحرم ھذا، فلایریٰ المحرم ان المحلل ھلک لتحلیلہ، ولایریٰ المحلل ان المحرم ھلک لتحریمہ "[3]

ترجمہ: یحییٰ بن سعید فرماتے ہیں: ہمیشہ اہل فتاوی فتوی دیتے رہے۔ ایک شخص (غیر منصوص مسائل میں) ایک چیز کو حلال قرار دیتا ہے اور دوسرا اسے حرام قرار دیتا ہے، مگر نہ حرام کہنے والا یہ سمجھتا ہے کہ جس نے حلال ہونے کا فتوی دیا، وہ ہلاک اور گمراہ ہوگیا نہ حلال کہنے والا یہ سمجھتا ہے۔

ہندوستان میں بھی انگریز کے برسر اقتدار آنے سے پہلے علماء کا آپس میں بعض مسائل ومعمولات میں اختلاف ہونے کے باوجود ایک دوسرے کے لیے احترام کا جذبہ غالب تھا۔

دیوبندی بریلوی اختلافات سے قبل برصغیر میں اہل سنت والجماعت کی مذہبی رواداری

برصغیر کے پورے خطے میں بسنے والے تمام اہل سنت والجماعت کی دینی، علمی اور ادبی کتب کے علاوہ زمانے کے رائج الوقت اور مرتب شدہ فتاویٰ جات کو دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس خطے کے تمام اہل سنت والجماعت دنیا کے باقی خطوں کی طرح فقہی معاملات میں بالاتفاق امام اعظم ابو حنیفہؒ کے مقلد ہیں جبکہ عقائد کے معاملات میں باقی دنیا کے احناف کی طرح بالاتفاق امام ابو منصور ماتریدیؒ کی تقلید کے قائل ہیں۔اور اس بات میں کوئی اختلاف موجود نہیں۔

حقیقت حال یہ ہے کہ اس وقت برصغیر کے اندر طرز زندگی اور ثقافت کے مختلف شعبوں میں مختلف قسم کی رسومات اور معمولات رائج ہیں۔ ہر علاقے کی معمولات اور رسومات دوسرے علاقوں سے مختلف ہیں۔مثلاً شہری علاقوں کی زندگی میں رونق اور رنگینی، دیہی علاقوں کی نسبت زیادہ ہوتی ہے اس لئے شہروں میں عام طور پر لوگوں کی زندگی میں مختلف معمولات اور رسومات ہوتے ہیں۔ جبکہ شہری ثقافت کے برعکس دیہی طرز زندگی میں سادگی غالب ہوتی ہے۔ دیہی علاقوں کے لوگ یا تو ان رسومات اور معمولات سے بالکل ناواقف ہوتے ہیں یا وہ ان معمولات اور رسومات سے واقف تو ہوتے ہیں لیکن یہ ان کی زندگی میں شامل نہیں ہوتے۔اسی طرح ایک شہر کی معمولات اور رسومات بھی ہر دوسرے شہر سے مختلف ہوتی ہیں۔اور عموماً ایک شہر کا ماحول اور وہاں کے لوگوں کا مزاج دوسرے شہروں کے ماحول اور لوگوں کے مزاج سے مختلف ہوتا ہے۔چنانچہ ایک رسم یا معمول جو کسی شہر میں مشہور اور مقبول ہوتا ہے دوسرے شہر کے لوگ اس سے ناواقف ہوتے ہیں یا اس کو اچھا نہیں سمجھتے۔

اس صورتحال سے ملتی جلتی صورت حال آج سے ڈیڑھ دو سو سال قبل کے برصغیر میں بھی تھی۔جب اہل سنت والجماعت میں مسلکی اختلاف ابھی پروان نہ چڑھا تھا۔اور پورے برصغیر میں اہل سنت والجماعت مسلکی رواداری کی قائل تھی۔ چونکہ ذرائع ابلاغ بھی آج کل کی طرح ترقی یافتہ نہ تھیں۔جس کی وجہ سے کسی بھی علاقے کے رسوم ورواج اور معمولات میں تبدیلی آنے کی رفتار بھی آج کے زمانے سے بہت سست تھی۔ عقائد کا اختلاف تو بالکل موجود نہ تھا۔لیکن ہر علاقے کے لوگوں کا مزاج اور ماحول دوسرے علاقوں سے مختلف ہوا کرتا تھا۔اسی طرح علماء بھی اپنے اپنے مزاج اور ماحول کے مطابق ہر معمول اور رسم کے متعلق شرعی حکم بیان کرتے تھے اور اس کے جواز اور عدم جواز کی مختلف صورتیں ذکر کر دیا کرتے تھے ۔جو کہ عام طور پر ہر زمانے کے اعتبار سے ایسے فقہی معاملات میں کیا جاتا ہے۔ چونکہ فقہی معاملات میں اختلاف رائے کی وہ گنجائش موجود ہوتی جو عام طور پر عقائد کے معاملات میں موجود نہیں ہوا کرتی۔ لہٰذا علماء میں ان امور کے متعلق اظہار رائے کی آزادی اور اختلاف معمول کی بات تھی۔اور ان معاملات میں اختلاف رائے معیوب نہیں بلکہ مستحسن سمجھا جاتا تھا۔یہ ماحول معاشرتی ہم آہنگی اور مذہبی رواداری کیلئے سازگار تھا اور علماء اور عوام اپنے ذوق کے مطابق ان معمولات اور رسومات پر عمل پیرا تھے۔پورے خطے کے اہل سنت والجماعت کے لوگ فقہ میں امام ابو حنیفہؒ کی پیروی اور تقلید کرتے تھے۔ جبکہ عقائد میں باقی احناف کی طرح امام ابو منصور ماتریدی کے قائل تھے۔یہی وجہ تھی کہ اس زمانے میں بھی اہل سنت والجماعت کے اکابرین بھی مشترک تھے۔اور تمام اہل سنت ان اکابرین کی یکساں پیروی کرتے تھے۔اس زمانے میں شیخ احمد سرہندیؒ نے اپنی اصلاحانہ سرگرمیوں اور فراست کی بدولت اہل سنت والجماعت کے حلقوں میں اپنا مقام پیدا کیا اور لوگوں کی اصلاح کی جس کی بدولت وہ برصغیر میں مجدد الف ثانی کے لقب سے مشہور و مقبول ہوئے۔ان کے علاوہ شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ جو

حضرت مجدد الف ثانیؒ کے ہم عصر تھے اصلاح معاشرہ برصغیر میں ان کی خدمات بھی لائق تحسین ہیں۔ان عظیم ہستیوں نے اپنے قلم اور بیان سے معاشرہ کی اصلاح کی۔ان کے بعد حضرت شاہ ولی اللہؒ اور ان کے خلفاء نے برصغیر کے معاشرے میں دینی و ملی خدمات انجام دیں۔ان اکابرین کی زندگی اور ان کے بعد ان کے خلفاء کے ادوار یعنی تیرھویں صدی ھجری (انیسویں صدی عیسوی) تک اہل سنت والجماعت برصغیر میں متفق اور دین اسلام کی نشرواشاعت میں مصروف عمل تھی۔لیکن تیرھویں صدی ھجری کے اواخر اور چودھویں صدی ہجری کے اوائل میں اختلافات کا شکار ہو راہ اعتدال سے ہٹ گئی اور آپس میں کر فتنہ تکفیر و تفسیق کی مرتکب ہوگئی۔جس سے ان کا دینی، مذہبی اور ملی اتحاد پارہ پارہ ہوگیا۔

برصغیر میں اہل سنت والجماعت کے اندر گروہ بندی اور اختلاف کا نقطہ آغاز

برصغیر میں اہل سنت والجماعت میں آراء کا اختلاف انیسوی صدی عیسوی یا تیرھویں صدی ھجری کے اواخر سے شروع ہوا جب ارباب علم میں علمی موضوعات پر بحث مباحثہ کا آغاز ہوا۔یہ اختلاف محض علمی تھا اور جانبین اس میں متشدد بالکل نہیں تھے۔اس ضمن میں مولانا شاہ اسماعیل شہید دہلوی اور مولانا فضل حق خیر آبادی کے درمیان امکان نظیر نبوی ﷺ اور امکان کذب باری تعالیٰ وامتناع کی بحث کا آغاز ہوا۔شاہ اسماعیل شہیدؒ امکان نظیر اور امکان کذب کے قائل تھے جبکہ مولانا فضل حق خیر آبادی امتناع نظیر اور امکان کذب کے۔یہ محض ایک سطحی اور نظری اختلاف تھا۔کیونکہ فریقین میں سے کوئی بھی بالفعل امکان نظیر یا امکان کذب کا قائل نہیں تھا۔اس اختلاف کو بریلوی مکتب فکر کے پیر مہر علی شاہ گولڑوی صاحب بھی اجتہادی مانتے ہیں۔جس ان سے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی نظیر کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ فرماتے ہیں:

"اس مقام پر امکان نظیر یا امتناع نظیر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق اپنا مافی الضمیر ظاہر کرنا مقصود ہے نہ تصویب یا تغلیط کسی فریقین کی اسماعیلیہ و خیر آبادیہ میں سے، شکر اللہ سعیہم۔راقم سطور دونوں کو ماجور وثواب جانتا ہے۔"[4]

یہ اختلاف متقدمین کے زمانے سے چلا آرہا تھا جن میں امام رازیؒ وغیرہ بھی اس کے قائل تھے۔[5]فریقین اس معاملے میں متشدد بالکل نہ تھے اور قطعاً ایک دوسرے کی تکفیر و تفسیق کے قائل نہ تھے۔مولانا شہید کا موقف تھا کہ امکان نظیر قدرت الٰہیہ کے تحت داخل ہونے کی وجہ سے ممکن بالذات اور ممتنع بالغیر ہے۔جبکہ مولانا فضل حق خیر آبادی کے نزدیک یہ ممتنع بالذات ہے۔یہ ایک اجتہادی اختلاف تھا ہدایت اور ضلالت کا اختلاف نہ تھا۔اور ایک غیر جانبدار روایت کے مطابق مولانا فضل حق خیر آبادیؒ نے اپنے موقف سے رجوع بھی کر لیا تھا۔

برصغیر میں اہل سنت والجماعت کی داخلی گروہ بندی: ایک تجزیہ

برصغیر میں اہل سنت والجماعت کے دو گروہ ہیں: دیوبندی مکتب فکر اور بریلوی مکتب فکر۔ان دونوں مکاتب فکر نے اس خطے میں اسلام کی ترویج و اشاعت میں کارہائے نمایاں سرانجام دیئے ہیں۔یہ دونوں مسالک مسائل فقہ میں امام اعظم ابو حنیفہؒ کے مقلد ہیں جبکہ مسائل کلام یا عقائد میں امام ابو منصور ماتریدیؒ کی تقلید کے قائل ہیں۔ذیل میں ان دونوں مکاتب فکر کا تعارف پیش کیا جاتا ہے:

دیوبندی مکتب فکر

یہ مسلک ''دیوبند'' کی طرف منسوب ہے۔''دیوبند'' پڑوسی ملک بھارت کی ایک ریاست اترپردیش کا ایک مشہور قصبہ

ہے۔اسی قصبے میں سن 1866ء میں ایک مدرسے کا قیام عمل میں لایا گیا جس کے بانی اس وقت کے متحدہ ہندوستان کے ایک مشہور عالم دین مولانا قاسم نانوتویؒ تھے۔اس مدرسے کا نام "دیوبند" کے قصبے کے نام پر "دارالعلوم دیوبند" رکھا گیا۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب دیوبندی اور بریلوی مکتب فکر کے اختلافات کا وجود ہی نہیں تھا۔ لیکن بعد میں عقائد کے باب میں اس مدرسے کے پیروکاروں کو دیوبندی اسی نسبت سے کہا جانے لگا۔

بریلوی مکتب فکر

یہ مسلک "بریلی" کی طرف منسوب ہے۔ "بریلی" بھی دیوبند کی طرح بھارت کا ایک مشہور شہر ہے۔یہی وہ شہر ہے جہاں مولانا احمد رضاخان بریلویؒ پیدا ہوئے۔ جنہوں نے سن 1904ء میں بریلی شہر کے اندر "دارالعلوم منظر الاسلام" قائم کیا۔بریلوی مکتب فکر ان ہی کی طرف منسوب ہے اور مسلک اعلیٰ حضرت اور رضاخانیت کے نام سے بھی پکارا جاتا ہے۔اسی نسبت سے اس مسلک کے پیروکاروں کو بریلوی رضاخانی بھی کہا جاتا ہے۔

برصغیر میں اہل سنت والجماعت کے درمیان نزاعی مسائل: ایک مختصر جائزہ

برصغیر میں اہل سنت والجماعت کے دونوں گروہ یعنی دیوبندی اور بریلوی مکاتب فکر دین کے بنیادی عقائد اور اصولوں میں متفق ہیں کیونکہ وہ فقہ کے مسائل میں متفقہ طور پر امام اعظم ابوحنیفہؒ کو اپنا امام مانتے ہیں اور فقہ کے باقی ائمہ کو بھی برحق جانتے ہیں۔اسی طرح وہ کلام یا عقائد کے مسائل میں متفقہ طور پر امام ابو منصور ماتریدی کے مقلد ہیں لیکن وہ صرف فروعی مسائل میں آپس میں اختلاف رائے رکھتے ہیں۔ لیکن بدقسمتی سے ان فروعی اختلافات کو دونوں مکاتب فکر کے مبینہ نمائندوں اور متشدد واعظین کی جانب سے مسلکی منافرت کی بدولت بڑھاچڑھا کر اصولی اختلاف کے طور پیش کیا جاتا ہے اور صرف اختلاف رائے کی بدولت کفر، شرک، بدعت اور تضلیل کے فتاویٰ جات جاری کئے جاتے ہیں۔جس سے طرفین میں شدت پسندی اور نفرت میں اضافہ ہوتا ہے جو کسی امت کے مفاد میں نہیں۔ مکتبہ فکر دیوبند اور بریلوی مکتب فکر کے درمیان موجود اختلاف کا اگر ایک غیر جانبدار تجزیہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ ان کے درمیان اختلافی مسائل دو قسم کے ہیں:

ایک قسم کے مسائل وہ ہیں جن کا تعلق اعتقادی مسائل یا علم کلام سے ہے اس قسم کے مسائل چار ہیں:[6]

مسئلہ علم غیب

مسئلہ مختار کل

مسئلہ حاضر و ناظر

مسئلہ نور و بشر

ان چاروں کا تعلق انبیاء کرام علیہم السلام اور اولیائے کرام کی ذات سے ہے یعنی یہ چاروں مسائل، عقائد متعلقہ بانبیاء کرام و اولیائے کرام میں سے ہیں۔ان مسائل میں فریقین ایک دوسرے پر کفر، شرک، گمراہی، بے دینی اور بد مذہب وغیرہ کے فتاویٰ جات اور الزامات لگاتے رہتے ہیں۔

دوسرے قسم کے اختلافی مسائل وہ ہیں جن کا تعلق دراصل علم فقہ سے ہے کیونکہ ان مسائل میں صرف جواز اور عدم جواز کا اختلاف ہے لیکن باہمی مسلکی رقابت کی بناء پر ان مسائل کو بھی اعتقادی بنا دیا گیا ہے۔ ان مسائل میں مندرجہ ذیل

مسائل شامل ہیں:

مسئلہ میلاد اور اس کے اندر مروجہ قیام کا حکم

ایصال ثواب کے مروجہ طرق اور ان کے احکام

قبور مسلمین کے احکام وغیرہ۔

ان مسائل میں ذیلی مسائل کی تعداد کافی زیادہ ہے۔ان کے علاوہ کچھ غیر مشہور مسائل بھی ہیں جن میں بھی اختلاف ہے لیکن ان میں سے مشہور یہی ہیں جن کا تذکرہ ہم نے کر دیا۔ چنانچہ فریقین ان معاملات میں بھی پہلی قسم کے مسائل کی طرح انتہائی متشدد واقع ہوئے ہیں۔

برصغیر میں تکفیری فتووں کا آغاز

مندرجہ بالا سطور جن میں ایک علمی اختلاف کا ذکر ہوا جس کا آغاز خالصتاً علمی بنیادوں پر ایک اجتہادی اختلاف کے طور پر ہوا اور جس میں فریقین اسے ہدایت وضلال والے اختلاف تک لے کر نہیں گئے بلکہ ان میں باہمی عزت واحترام بہر حال ملحوظ خاطر رہا۔ لیکن اسی اختلاف کو بنیاد بنا کر تقریباً سو سال بعد مولانا احمد رضا خان نے شاہ اسماعیل شہیدؒ کو کافر قرار دیا اور فتویٰ کفر لگانے میں اتنا غلو کیا کہ ان کے لاکھوں معتقدین کو نہ صرف کافر بلکہ ان کے کفر میں شک کرنے والوں کو بھی کافر قرار دیا۔[7]

لیکن یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ مولانا احمد رضا خان جو بعد میں بریلوی مکتب فکر کے سرخیل قرار پائے ان تکفیری فتاویٰ کے اولین موجد نہیں تھے بلکہ ان سے قبل ان کے والد گرامی مولانا نقی علی خان بریلوی بھی تکفیری فتویٰ لگانے میں پہل کر چکے تھے۔اور انھوں نے سب سے پہلے اپنے ہم عصر اور ہم وطن ایک ممتاز عالم دین مولانا احسن صدیقی نانوتویؒ کو منکر ختم نبوت قرار دے کر کافر قرار دیا اور برصغیر میں سب سے پہلے اہل سنت والجماعت کے پیروکاروں کی تکفیر کا آغاز کیا۔[8]

لیکن بعد میں بیسویں صدی کے اوائل میں میں مولانا احمد رضا خان نے مولانا شاہ اسماعیل شہیدؒ دہلوی پر ان افکار کی بناء پر تنقیص باری تعالیٰ کا مرتکب قرار دے کر کافر قرار دیا۔ بلکہ مولانا شہید کو وہابی قرار دے کر ان کے کفر میں شک کرنے والے کو بھی کافر قرار دیا اور موضوع پر ''الکوکبۃ الشھابیہ فی کفریات ابی الوہابیہ'' نامی کتاب لکھ کر ستر وجوہ سے ان کی تکفیر کی۔[9] یوں برصغیر میں سب سے پہلے اہل سنت والجماعت کے پیروکاروں پر فتویٰ تکفیر کا آغاز ہوا۔ یہ کتاب چونکہ عربی زبان میں تھی اس لئے برصغیر کے عوام تو اس سے بے خبر تھے لیکن علماء نے مصلحتاً اسے برصغیر میں مذہبی رواداری کے خلاف سمجھ کر اس جانب کوئی توجہ نہ دی اور اس تکفیری مہم کا حصہ نہ بننے کو ترجیح دی۔ یہ تکفیری مہم اس بحث کے کم وبیش ایک صدی بعد شروع ہوئی جو بعد کے زمانے میں اتنی شدت سے بڑھی کہ اہل سنت والجماعت کے دونوں فریقوں کو اپنی لپیٹ میں لے کر اتنی بڑی خلیج پیدا کر گئی جو آج تک پار نہ ہو سکی۔

دیوبند اور بریلوی مکاتب فکر میں شدت کی ابتداء اور رواداری کا انسداد

برصغیر میں صدیوں سے ارباب علم وفراست کے درمیان وقتاً فوقتاً زمانے میں رائج مختلف معمولات اور رسومات پر

اختلاف رائے اور بحث مباحثے ہوتے رہے ہیں اور ان کے جواز اور عدم جواز کے فتوے بھی دیئے گئے ہیں لیکن یہ اختلاف ہدایت وضلالت کا اختلاف نہیں بلکہ علمی اور اجتہادی اختلاف رہا ہے جیسا کہ مختلف فقہی مسائل میں عموما ہوتا ہے کہ ایک فریق کسی مسئلے میں جواز کا قائل ہے تو دوسرا عدم جواز کا۔ لیکن نہ جواز کا قائل عدم جواز والے کی تفسیق یا تکفیر کرتا ہے اور نہ عدم جواز والا جواز والے کی۔

اس بات میں طرفین متفق ہیں کہ دیوبندی اور بریلوی اختلافات میں شدت مولانا احمد رضا خان کی ''حسام الحرمین'' کی نشر واشاعت کے بعد آئی ہے[10] جس میں مولانا شاہ اسماعیل شہیدؒ کے علاوہ اکابرین علماء دیوبند جن مولانا مولانا قاسم نانوتوی ، مولانا رشید احمد گنگوھی، مولانا خلیل احمد سہارنپوری اور مولانا اشرف علی تھانوی پر کفر کا فتویٰ لگایا گیا تھا۔ جس کے نتیجے میں جانبین میں رواداری بالکل ختم ہوگئی اور فریقین پوری شدت کے ساتھ ایک دوسرے کی تکفیر اور تفسیق کرنے میں مصروف ہوگئے۔ حسام الحرمین کے منظر عام پر آنے سے پہلے ایسا نہیں تھا۔ کیونکہ مولانا احمد رضا خان نے حسام الحرمین کے فتاویٰ کو ذی الحجہ ۱۳۲۴ھ میں مرتب کیا تھا اور یہ ۱۳۲۴ھ کو منظر عام پر آئے تھے، جس پر پورے برصغیر میں شور اور غلغلہ بلند ہوا۔ حالانکہ دراصل یہ فتاویٰ جات اس سے چار سال قبل ۱۳۲۰ھ ''المعتقد المنتقد'' کے حاشیہ ''المعتمد المستند'' پر مولانا احمد رضا خان نے شائع کئے تھے۔ جس میں ان حضرات کی تکفیر کی گئی تھی۔[11]

لیکن اس کو ارباب علم نے نظر انداز کیا تھا۔ جس کی چند وجوہات تھیں۔ ایک وجہ یہ تھی کہ ''المعتمد المستند'' عربی زبان میں تھی جو عوامی نظر سے دور تھی اور کئی سالوں تک وہ علماء دیوبند کی نظر میں نہیں آسکی تھی، اور عوامی حلقوں میں اس کا بالکل بھی چرچا نہیں تھا۔ چنانچہ علماء دیوبند نے بعد میں اس کو نظر انداز کیا اور اس کا جواب نہ دینے کا فیصلہ کیا۔ دوسری وجہ یہ تھی کہ مولانا احمد رضا خان اس سے قبل ایک تکفیری مہم ''ندوۃ العلماء'' کے خلاف بھی چلا چکے تھے اور کئی سال تک ان کی تکفیر کے فتاویٰ جات دیتے رہے تھے جن کی علمی حلقوں میں کوئی پذیرائی نہیں ہوئی تھی لہٰذا علماء دیوبند تکفیری فتوؤں کو مولانا احمد رضا خان کا غیر مفید مشغلہ سمجھ کر اس کا جواب نہ دینے کا فیصلہ کر چکے تھے۔ تاکہ یہ فتنہ بڑھنے کے بجائے دب جائے اور بڑھنے نہ پائے۔[12]

لیکن مولانا احمد رضا خان کی حسام الحرمین مرتب کرنے، اس پر علماء حرمین کی تصدیقات حاصل کرنے اور پھر اس کا اردو زبان میں ترجمہ کرنے کا مقصد کفر کے ان فتویٰ جات کو عوام کے سامنے پیش کرنا تھا جس میں وہ کامیاب ہوگئے اور یہ فتویٰ جات برصغیر کے کونے کونے میں پہنچ گئے۔ اور پورے خطے میں اس کا چرچا ہوا۔ اس کے نتیجے میں علماء دیوبند نے اپنی طرف منسوب کفریہ عقائد کی تردید کی اور حسام الحرمین کے مقابلے میں ایک رسالہ ''المهند علی المفند'' ترتیب دیا اور اپنے عقائد کا اظہار کیا۔ اس سے جانبین کی طرف سے ایک دوسرے کے جوابات لکھنے کا ایک لامتناہی سلسلہ شروع ہوا جو آج تک جاری ہے اور آئے روز ایک دوسرے کی تفسیق اور تکفیر میں اضافہ ہو رہا ہے۔

سفارشات:

اتحاد امت کی کلید: ہم آہنگی اور محبت کا راستہ

مولانا مفتی محمد شفیع صاحب وحدت امت کا درس دیتے ہوئے تمام مکاتب فکر کے علماء سے فرماتے ہیں:

ذمہ دار علماء سے دردمندانہ گزارش

"سیاسی اور اقتصادی میدان اور اغراض و منصب کی دوڑ میں بے اعتدالیوں کی روک تھام تو شر دست ہمارے بس میں نہیں لیکن خود دین و مذہب کے لئے کام کرنے والی جماعتوں کے نظریاتی اور نظامی اختلافات، اشتراک مقصد کی خاطر معتدل کئے جاسکتے ہیں، اگر ہم اسلام کے بنیادی اصول کی حفاظت اور الحاد و بے دینی کے سیلاب کی مدافعت کے اہم مقصد کو صحیح معنی میں مقصد اصلی سمجھ لیں تو یہ وہ نقطہ وحدت ہے کہ جس پر مسلمانوں کے سارے فرقے ساری جماعتیں جمع ہو کر کام کر سکتی ہیں اور اسی صورت اس سیلاب کے مقابلہ میں کوئی موثر انجام پا سکتا ہے۔"[13]

بریلوی اور دیوبندی اختلافات کو ختم کرنے کے لیے ضروری ہے کہ قرآن و سنت کو مشترکہ بنیاد بنایا جائے اور ان کی تشریح میں باہمی احترام اور علمی دیانتداری کو فروغ دیا جائے۔ علماء کے درمیان تعمیری مکالمہ اور مشترکہ عقائد پر زور دینا اہم ہے، تاکہ عوام میں اتحاد کا شعور بیدار ہو۔ مدارس اور مساجد میں فرقہ واریت سے پاک تعلیم فراہم کی جائے، اور خطبات و میڈیا کے ذریعے نفرت کے بجائے محبت اور برداشت کا پیغام عام کیا جائے۔ اجتہاد کی روح کو زندہ کر کے جدید مسائل کے حل کے لیے مل جل کر کام کیا جائے اور فقہی اختلافات میں لچک پیدا کی جائے۔ عوام کی تربیت اس انداز میں کی جائے کہ وہ اختلافات کو علمی زاویے سے دیکھیں اور ان کے احترام کو سیکھیں۔ حکومت کو چاہیے کہ وہ فرقہ وارانہ ہم آہنگی کے فروغ کے لیے اقدامات کرے اور نفرت انگیزی کے خلاف قوانین نافذ کرے۔ صوفیاء کی محبت اور برداشت پر مبنی تعلیمات کو اپنانا اور اتحاد کی مخلصانہ خواہش کو عام کرنا اس عمل کو مزید تقویت دے سکتا ہے۔ یہ تمام اقدامات وقت اور صبر طلب ہیں، لیکن نیک نیتی اور تعاون کے ساتھ امت کی وحدت کا خواب حقیقت بنایا جا سکتا ہے۔

This work is licensed under a Creative Commons Attribution 4.0 International License.

حوالہ جات (References)

[1] ۔شاہ وجیہ الدین احمد خان صاحب رام پوری (م:1407ھ)، (کلامی الخیر) مسلک ارباب حق، ادارہ نشر و اشاعت، جامع العلوم فرقانیہ، رام پور (یوپی)، 1419ھ/1998ء، ص 193 تا 194۔

[2] ۔مولانا توحید عالم بجنوری، ماہنامہ دار العلوم دیوبند، گوجرانوالہ، جلد:97، شمارہ:5، مئی 2013ء، ص 23۔

[3] ۔ابن عبد البر، ابی عمر/یوسف بن عبد البر، (م:463ھ)، جامع بیان العلم وفضلہ، تحقیق: ابی الاشبال الزھیری، ناشر: دار ابن الجوزی، مصر، 1414ھ/1994ء، ج1، ص 902 تا 903۔

[4]- پیر مہر علی شاہ گیلانی، الافاضات السنیہ (فتاویٰ مہریہ)، پرنٹنگ پروفیشنلز، لاہور، جولائی 2010ء، ص 11۔

[5]- کاشف اقبال نقشبندی، دیوبندی بریلوی اختلافات: سراج الدین امجد صاحب کے تجزیے پر ایک نظر، ماہنامہ الشریعۃ، گوجرانوالہ، جلد:28، شمارہ:7، جولائی 2017ء، ص 26۔

[6] - مولانا محمد یوسف لدھیانوی، اختلاف امت اور صراط مستقیم، مکتبہ لدھیانوی، سلام مارکیٹ کراچی، 1995ء، ج 1، ص 53۔

[7] -مولانا احمد رضا خان بریلوی، الکوکبۃ الشھابیۃ فی کفریات ابوالوہابیہ، (1312ھ)، اعلیٰ حضرت نیٹ ورک، ص 12۔

[8]۔ محمد ایوب قادری، ایم اے، مولانا احسن نانوتوی، جاوید پریس کراچی، 1966ء، ص 87۔

[9] - مولانا احمد رضا خان بریلوی، الکوکبۃ الشھابیۃ فی کفریات ابوالوہابیہ، (1312ھ)، اعلیٰ حضرت نیٹ ورک، ص 11 تا 67۔ س

[10]- سراج الدین امجد، دیوبندی بریلی: اختلافات سے مشترکات تک، ماہنامہ الشریعۃ، گوجرانوالہ، جلد:28، شمارہ:3، مارچ 2017ء، ص 53۔

[11] -مولانا احمد رضا خان بریلوی، حسام الحرمین علی منحر الکفر والمین (سال طباعت: 1325ھ)، مترجم: پیرزادہ اقبال احمد فاروقی، ایم اے، مکتبہ نبویہ، گنج بخش روڈ لاہور، 2009ء، ص 13۔

[12] ۔مفتی محمد امین پالن پوری، محاضرات علمیہ بر موضوع رضاخانیت (تعارف و تعاقب)، دفتر محاضرات دارالعلوم دیوبند، 2015ء، پہلا محاضرہ، ص 29۔

[13]-مولانا مفتی محمد شفیع، وحدت امت، طارق اکیڈمی، فیصل آباد، 14 اگست 2004ء، ص 53۔